کلمہ حق — رئیس التحریر

سنی شیعہ کشیدگی کے اسباب پر ایک نظر

وزیر اعظم پاکستان نے گزشتہ دنوں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی سربراہی میں مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام اور راہنماؤں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم کی تا کہ سنی شیعہ کشیدگی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کی جائے اور اس کو کم کرنے کے لیے تجاویز مرتب کی جائیں۔ کمیٹی نے اپنے پہلے اجلاس میں یہ تجویز کیا کہ صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ کی شان میں گستاخی کے جرم کی سزا میں اضافہ کیا جائے اور کسی گروہ کی تکفیر کا معاملہ وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کر دیا جائے اور اس کے بغیر کسی کو کافر قرار دینے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگرچہ کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد کے خلاف مولانا سمیع الحق' جناب ساجد نقوی' ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی اور دیگر حضرات کے بیانات کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے کمیٹی کی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا' تاہم کمیٹی کی افادیت اور اس کے کام میں پیش رفت کی ضرورت بدستور موجود ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں دو قسطوں پر چھپا تھا جسے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ (رئیس التحریر)

سنی شیعہ کشیدگی اور باہمی قتل وقتال کی افسوسناک صورتحال کے اسباب وعوامل کا جائزہ لینے کے لیے تنظیم اسلامی پاکستان کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد کی سربراہی میں علماء کمیٹی نے کام شروع کر دیا ہے اور اس کے پہلے باضابطہ اجلاس کے بعد ابتدائی سفارشات کی جو شکل سامنے آئی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف کمیٹی اپنے کام میں سنجیدہ ہے بلکہ کمیٹی قائم کرنے والے حضرات بھی اس سلسلہ میں کوئی عملی پیش رفت چاہتے ہیں۔ یہ کمیٹی وزیر اعظم پاکستان نے قائم کی ہے اور اس میں سنی شیعہ کشیدگی کے موجودہ راؤنڈ کے دو متحارب گروہوں "تحریک جعفریہ" اور "سپاہ صحابہؓ" کے سربراہوں کے علاوہ مختلف دینی مکاتب فکر کے ذمہ دار حضرات شامل ہیں' اگرچہ ملی یک جہتی کونسل کے سیکرٹری جنرل سمیع الحق نے ملتان میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس کمیٹی پر اعتراض کیا ہے کہ یہ کمیٹی جماعتوں کی نمائندہ نہیں ہے اس لیے ان کے بقول یہ کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکے گی اور ان کے خیال میں ملی یک جہتی کونسل کو دوبارہ متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن مولانا موصوف کا یہ اعتراض بوجوہ درست نہیں ہے۔ اولاً" اس لیے کہ ملی یک جہتی کونسل اس مسئلے میں ہاتھ ڈال کر ناکام ہو چکی ہے اور اسے یہ گتھی سلجھانے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ اس لیے اس سلسلہ میں اسے دوبارہ متحرک کرنے کی کوئی بات "آزمودہ را آزمودن" والا قصہ ثابت ہوگا۔ ثانیاً" اس لیے کہ سنی شیعہ کشیدگی کے حالیہ راؤنڈ میں اصل فریق دو ہی ہیں' سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ' اس لیے جب دونوں کے سربراہ کمیٹی میں شریک ہیں تو حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے اس کمیٹی کی کوششیں ہی کارگر ہو سکیں گی۔ ثالثاً" اس لیے کہ کمیٹی میں اگرچہ بہت سی جماعتوں کو نمائندگی حاصل نہیں ہے لیکن اس کمیٹی میں شامل شخصیات مذہبی مکاتب فکر کی علمی اور دینی نمائندگی کے لحاظ سے بہرحال موثر ہیں۔ رابعاً" اس لیے کہ یہ مسئلہ جماعتوں کا نہیں بلکہ مذہبی مکاتب فکر کا ہے ورنہ جمعیت علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کی قیادت کو اس کشمکش سے لاتعلق رہنے کی ضرورت نہیں تھی اور ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کشیدگی کے مسلسل بڑھتے چلے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کی قیادت نے اسے اپنا مسئلہ نہیں سمجھا اور کشمکش کو آگے بڑھنے کے لیے "فری ہینڈ" دے دیا ورنہ صورت حال شاید اتنی زیادہ خراب نہ ہوتی اور اسے کہیں نہ کہیں بریک ضرور لگ جاتی۔

اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کمیٹی میں نمائندگی نہ پانے والی جماعتوں کو' خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہوں' اسے ایشو نہیں بنانا چاہیے اور ملی یک جہتی کونسل کی آڑ میں کوئی متوازی محاذ کھڑا کرنے کی بجائے اس کمیٹی کے ساتھ تعاون کی کوئی راہ نکالنی چاہیے ورنہ امید کا یہ پہلو بھی مایوسی کی تاریکیوں کی نذر ہو جائے گا اور اس کے بعد شاید جلد کوئی امید افزا صورت حال سامنے نہ آ سکے۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد نفس مسئلہ کے بارے میں معروضات پیش کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ جب مسئلہ کشیدگی کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کا ہے تو پھر دیانت وامانت کا تقاضا ہے کہ قومی بحث ومباحثہ کے دوران اس سلسلہ میں جو بات بھی محسوس ہو رہی ہو' اسے سامنے لایا جائے اور معاملہ کے ہر پہلو کی اچھی طرح چھان پھٹک کی

جائے تا کہ کوئی کانٹا ایسا باقی نہ رہ جائے جو اس موقع پر چنا نہ جا سکے اور بعد میں کسی وقت الجھن کا باعث بن جائے۔ اس جذبہ اور احساس کے ساتھ سنی شیعہ کشیدگی کے اسباب و محرکات کے بارے میں کچھ گزارشات قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

سنی شیعہ کشمکش اور کشیدگی کا پس منظر تو تاریخی اور قدیمی ہے کہ قرآن کریم، خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات میں اتنا واضح فرق موجود ہے کہ اس فرق کی موجودگی میں دونوں میں سے کسی کا بھی دوسرے فریق کو مذہبی طور پر قبول کرنا خود اپنے مذہب کے اصولوں کو رد کرنے کے مترادف ہوگا اس لیے یہ معاملہ سرے سے خارج از بحث ہے کہ مذہبی عقائد کے حوالہ سے دونوں میں مفاہمت کی کوئی صورت نکل سکے اور اس ضمن میں اگر کوئی کوشش کی گئی تو وہ کار لا حاصل کے سوا کوئی مقام حاصل نہیں کر سکے گی البتہ اس فرق کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے درمیان حد فاصل کے اعتراف کے ساتھ باہمی تعلقات کار اور مشترکہ معاملات میں شرکت پر گفتگو ہو سکتی ہے اور اس وقت اسی نکتہ پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ماضی میں تحریک آزادی، تحریک پاکستان اور اس کے علاوہ نفاذ اسلام، ختم نبوت اور دیگر قومی و دینی تحریکات میں دونوں فریق مشترکہ جدوجہد میں شریک ہوتے رہے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے باہمی تعاون کی راہ پر چلتے رہے ہیں۔ اس لیے ان اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اس صورت حال میں بگاڑ پیدا کیا ہے اور بہت سے معاملات میں باہمی تعاون و اشتراک کرنے والے دو گروہوں کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور باہمی تصادم کی یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ ملک کے ایک بڑے حصے میں آج کسی مسجد میں پانچ وقت کی نماز کی باجماعت ادائیگی بھی مسجد کے دروازے بند کرنے اور مسلح پہرہ دار کھڑا کرنے کے سوا ممکن نہیں رہی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کشیدگی میں بہت سے دیگر عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں اور پاکستان میں امن و امان کو خراب کرنے میں دلچسپی رکھنے والی بعض ایجنسیوں کے علاوہ مقامی سطح پر غنڈہ عناصر اور قانون شکنی کے عادی بے شمار افراد نے اس کشمکش کے شیڈ میں پناہ لے رکھی ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود بنیادی عنصر وہی سنی شیعہ کشیدگی ہے اور حالات کو خراب کرنے کے خواہش مند خواہ کہیں سے آئیں، انہیں خام مال یہیں سے فراہم ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اسباب و عوامل اور محرکات کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور ان وجوہ کو تلاش کیا جائے جن کے باعث باہمی تعاون و اشتراک کی وہ فضا یکسر ختم ہو گئی ہے جو اب سے صرف دس برس پہلے تک نہ صرف موجود تھی بلکہ دینی تحریکات میں اس کے فوائد بھی حاصل ہو رہے تھے۔ اس سلسلہ میں اگر ایک دو ذاتی واقعات بھی ریکارڈ پر لے آؤں تو شاید نامناسب نہ ہو۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے ابتدائی دور کی بات ہے کہ راقم الحروف مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں باغ جناح کی جانب اپنے کمرہ کی کھڑکی کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا کہ گلی سے مولانا مفتی جعفر حسین چند ساتھیوں کے ہمراہ گزرے۔ مفتی جعفر حسین اہل تشیع کے بہت بڑے عالم تھے اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے بانی و سربراہ تھے۔ انہوں نے گلی سے گزرتے ہوئے، مجھے دیکھا تو جامع مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گئے۔ میں نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور احترام سے بٹھایا۔ مفتی صاحب کہنے لگے کہ میں ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اوپر آگیا ہوں۔ میں اس کمرہ میں چار سال تک پڑھتا رہا ہوں اور حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ میرے استاذ ہیں۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھے اور اپنے دور طالب علمی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اب سوچتا ہوں کہ دس پندرہ برس میں صورت حال کس طرح بدل گئی ہے کہ ان باتوں کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح میں اپنی پہلی گرفتاری کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو ایک شیعہ اے ایس آئی کے ہاتھوں ہوئی اور اس وضع داری اور احترام کے ساتھ کہ اب شاید کسی کو اس کہانی پر یقین نہ آئے۔ اکتوبر ۷۵ء میں جمعیت علماء اسلام پاکستان نے جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ملک گیر کنونشن منعقد کیا جس کی پاداش میں مسجد نور کو سرکاری تحویل میں لینے کا اعلان ہوا۔ اس پر تحریک چلی، سینکڑوں کارکنوں کی گرفتاریاں ہوئیں اور حکومت مسجد کا قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس تحریک سے قطع نظر کنونشن کے مقررین کے خلاف ۱۶ ایم پی او کے تحت تین مقدمات درج ہوئے جن میں مولانا عبد اللہ درخواستیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبید اللہ انورؒ، مولانا محمد شاہ امروٹیؒ اور مولانا ایوب جان بنوریؒ سمیت تمیں سے زائد سرکردہ علماء کرام شامل تھے۔ میرا نام بھی ان میں شامل تھا۔ جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ان کیسوں میں قبل از گرفتاری ضمانتیں نہ کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس لیے میں بھی پابند تھا کہ ضمانت نہ کراؤں جبکہ میں مقامی طور پر رہنے والا تھا اور ہر وقت پولیس چوکی گھنٹہ گھر کی نظروں میں تھا۔ پولیس چوکی کے اے ایس آئی نے جو شیعہ تھا، خود مجھے جامع مسجد میں آکر کہا کہ آپ کے خلاف مقدمہ ہے، اس لیے آپ ضمانت کروا لیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہم نے ضمانت نہ کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد پھر آیا اور ضمانت کا تقاضا دہرایا۔ میں نے وہی جواب دہرایا اور وہ پھر واپس چلا گیا۔ اس سے کچھ روز بعد کی بات ہے کہ راقم الحروف اور جمعیت علماء اسلام کے راہنما ڈاکٹر غلام محمد صاحب جی ٹی روڈ پر جا رہے تھے کہ وہی اے ایس آئی سامنے سے آرہا تھا۔ اس نے ملتے ہی پوچھا کہ "مولوی

صاحب ضمانت نہیں کرائی؟" میں نے جواب دیا کہ "نہیں" اس نے کہا کہ آئیں پھر چلیں (یعنی آپ کو گرفتار کر رہا ہوں) ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے، تین روز کے بعد عید ہے اس لیے عید کے بعد چلیں گے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، عید کی چھٹیاں ختم ہوتے ہی آپ پولیس چوکی میں آجائیں۔ اس وقت تھانہ باغبان پورہ نہیں ہوتا تھا اور وہاں چوکی پولیس گھنٹہ گھر ہوا کرتی تھی۔ عید کی چھٹیاں گزرنے کے بعد میں اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب حسب وعدہ پولیس چوکی پہنچے۔ اس شیعہ اے ایس آئی نے میری گرفتاری ڈالی اور کہا کہ مولوی صاحب! آپ کو رات کو حوالات میں رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپ گھر چلے جائیں اور صبح ۹ بجے سٹی مجسٹریٹ اقبال بوسن کی عدالت میں آجائیں۔ میں وہاں سے ریمانڈ لے کر آپ کو جیل چھوڑ آؤں گا۔ چنانچہ میں چوکی پولیس میں گرفتاری ڈلوا کر گھر چلا گیا۔ دوسرے روز راقم الحروف ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے ساتھ وعدہ کے مطابق سٹی مجسٹریٹ کے سامنے پہنچا تو مذکورہ اے ایس آئی ندارد! انتظار طویل ہوتا چلا گیا اور جب ایک بج گیا تو مجھے تشویش ہوئی اور ایمانداری کی بات ہے کہ یہ تشویش اپنے بارے میں نہیں بلکہ اس اے ایس آئی کے بارے میں تھی کہ اس نے کل سے میری گرفتاری ڈال رکھی ہے اور اگر وہ آج عدالت کے وقت نہ پہنچا تو اس غریب کا کیا بنے گا؟ ہم نے چوکی پولیس میں فون کر کے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ کلر آبادی میں کوئی قتل ہو گیا ہے اور وہ اے ایس آئی تفتیش کے لیے گیا ہوا ہے۔ ہم نے چوکی محرر کو صورت حال بتائی کہ ہم تو اس کے انتظار میں کچہری میں کھڑے ہیں۔ چوکی والوں نے اسے کسی طرح اطلاع کرائی اور وہ بے چارہ بائیسکل پر بھاگم بھاگ دو بجے سے پہلے سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں پہنچا۔ ریمانڈ لیتے ہوئے سٹی مجسٹریٹ نے اے ایس آئی سے پوچھا کہ ملزم کو ہتھکڑی کیوں نہیں لگائی؟ اس نے جواب دیا کہ "سر! یہ ملزم ہتھکڑی والا ہے؟" سٹی مجسٹریٹ نے پوچھا کہ "اگر ملزم فرار ہو گیا تو؟" اس اے ایس آئی نے جواب دیا کہ "سر! میں ذمہ دار ہوں" یہ واقعہ دسمبر ۷۵ء کا ہے اور ابھی صرف پون صدی گزری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب والی کمیٹی کو اپنا کام ضرور مکمل کرنا چاہیے اور ان اسباب وعوامل کو ضرور بے نقاب ہونا چاہیے جنہوں نے باہمی ربط ومفاہمت کی اچھی خاصی فضا میں تلخی کا زہر گھول دیا ہے۔

اصولی طور پر یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ مذہبی مفاہمت تو دونوں گروہوں میں ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن کریم، خلافت وامامت، خلفاء راشدین، صحابہ کرامؓ اور دیگر بعض اہم بنیادی امور میں دونوں کے معتقدات ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں اور یہ اختلاف اہل سنت کے دائرہ میں شامل گروہوں مثلاً دیوبندی اور بریلوی کی طرح تعبیرات کا نہیں بلکہ اصولی اور اعتقادی اختلاف ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ اعتقادات وروایات کے بنیادی اختلافات کے باوجود اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان باہمی تعلقات کار اور مشترکہ امور میں تعاون ورابطہ کی جو فضا دس پندرہ برس پہلے تک موجود تھی، وہ اب قائم نہیں رہی اور اسی سے کشیدگی بڑھی ہے۔ اس کے اسباب کو ضرور تلاش کرنا چاہیے۔

وطن عزیز پاکستان میں اہل سنت اور اہل تشیع میں مختلف مقامات پر ماضی میں دو باتوں پر جھگڑا ہوتا رہا ہے۔ ایک اس بات پر کہ بعض غیر محتاط شیعہ مقررین اپنی مجالس اور اصحاب قلم اپنی تصانیف میں حضرات صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت عائشہؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں گستاخانہ لہجہ اختیار کر لیتے تھے جس سے اہل سنت میں رد عمل ہوتا تھا اور بعض جگہ نوبت فسادات تک پہنچ جاتی تھی۔ ماضی میں کچھ مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل تشیع نے حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ کے پتلے جلائے ہیں اور اپنے ماتمی جلوس کی گزرگاہ میں حضرت عمرؓ کا نام لکھا دیکھ کر اس کی بے حرمتی کی ہے اور فسادات تک بات جا پہنچی ہے۔

دوسرے نمبر پر اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان جھگڑے کی بنیاد عزاداری کے جلوس بنتے رہے ہیں کہ بہت سے مقامات پر اہل سنت کو اعتراض اور شکایت ہوئی ہے کہ عزاداری اور ماتم کے جلوس اہل تشیع کے ہاں عبادت ہوں گے مگر ہم تو انہیں جائز نہیں سمجھتے اس لیے یہ جلوس اہل تشیع کی عبادت گاہوں تک محدود رہنے چاہئیں اور جن علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت ہے، ان میں جلوسوں کو لے جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بعض جگہ اہل تشیع اس اعتراض اور شکایت کو نظر انداز کر کے جلوس ہر حال میں متنازعہ مقامات سے گزارنے پر اصرار کرتے ہیں جس پر جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ گوجرانوالہ کی ضلعی امن کمیٹی میں، جس کا میں بھی رکن ہوں، ایک محلہ کے اہل تشیع کی درخواست آئی کہ وہ وہاں علم کا جلوس ایک گلی سے لے کر گزرنا چاہتے ہیں۔ گلی والوں کو اعتراض تھا جبکہ درخواست کنندہ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ اس نے نذر مانی ہوئی ہے کہ وہ علم کا جلوس اسی گلی سے گزارے گا اس لیے یہ اس کا مذہبی فریضہ ہے اور مذہبی فریضہ کی ادائیگی اس کا حق ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ بھائی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کل اگر میں نذر مان لوں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں سید کاظم علی شاہ صاحب کی کوٹھی کے دروازے پر مدح صحابہؓ کا جلسہ کروں گا تو کیا انتظامیہ مجھے اس نذر کی بنیاد پر جلسہ کرنے کی اجازت دے گی؟ سید کاظم علی شاہ صاحب ممتاز مسلم لیگی

رہنما ہیں، شیعہ ہیں اور ہمارے مہربان دوست ہیں۔ وہ بھی اس میٹنگ میں موجود تھے۔ اگرچہ انہوں نے بے تکلفی اور وضع داری سے کہا کہ "مولانا! آپ میرے گھر میں جلسہ کر لیں" لیکن جو بات میں ضلعی انتظامیہ کے افسران کو سمجھانا چاہتا تھا' وہ ان کے ذہن میں آگئی اور صورت حال کو کنٹرول کر لیا گیا۔

اب سے بیس پچیس برس پہلے تک اہل سنت اور اہل تشیع میں کشیدگی کا باعث یہی دو مسئلے بنتے تھے اور کچھ مقامات پر فسادات کی نوبت بھی آجاتی تھی لیکن یہ مسئلہ ملک گیر حیثیت اختیار نہیں کرتا تھا اور مختلف تدابیر سے ان پر کنٹرول ہو جایا کرتا تھا۔

اس کے بعد بات یوں کچھ آگے بڑھی کہ اہل تشیع نے جداگانہ مذہبی تشخص کے اظہار کے ساتھ اوقاف' اور دیگر معاملات میں جداگانہ حیثیت کے تعین کے مطالبات شروع کر دیے۔ ممتاز شیعہ لیڈر سید محمد دہلوی صاحب کی سربراہی میں شیعہ مطالبات کمیٹی نے اسلامیات میں شیعہ طلبہ کے الگ نصاب تعلیم اور شیعہ اوقاف کے جداگانہ انتظام کا مطالبہ کر دیا اور سنی شیعہ تنازعہ کے مسائل میں ایک اور مسئلہ کا اضافہ ہو گیا۔ اس پر خاصی کشمکش ہوئی اور اس طرح اہل تشیع نے اجتماعی دھارے سے الگ سفر کا آغاز کر دیا۔ اس وقت بہت سے سنی رہنماؤں نے شیعہ قیادت سے کہا کہ وہ جس سفر کا آغاز کر رہے ہیں' وہ بہت غلط منزل تک انہیں لے جائے گا مگر "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق شیعہ قیادت نے اس قسم کے کسی مشورے پر کان دھرنا مناسب نہ سمجھا اور بات مسلسل آگے بڑھتی رہی۔

اس کشیدگی میں اضافے کا تیسرا عنصر اس وقت شامل ہوا جب انقلاب ایران کے بعد پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تحریک کے قائدین نے خود کو ایرانی انقلاب کے نمائندے کے طور پر پیش کیا۔ ملک میں فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور اس مقصد کے لیے اسلام آباد میں ملک کے وفاقی سیکرٹریٹ کا دو روز تک مسلسل محاصرہ کیے رکھا حالانکہ اس مطالبہ کی قطعی کوئی تک نہیں تھی۔ پرسنل لاء میں اہل تشیع کے جداگانہ حقوق اور ان کے نکاح' طلاق اور وراثت کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق نمٹائے جانے کے اصول سے اہل سنت نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی انکار نہیں کیا اور نہ ہی انہیں آج اس سے انکار ہے جبکہ پبلک لاء میں سنی اکثریت پر فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ یا کم از کم متوازی طور پر دوہرے پبلک لاء کے نفاذ پر اصرار قطعی طور پر ایک بے جواز بات تھی جس کا ذکر خود راقم الحروف نے ۸۷ء میں ایران کے دورہ کے موقع پر ممتاز پاکستانی علماء کرام اور دانش وروں کی موجودگی میں مقتدر ایرانی راہنما جناب آیت اللہ جنتی کے سامنے کیا اور انہوں نے میری اس گزارش سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں پبلک لاء کے طور پر فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ درست نہیں۔

معاملات جب اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ فقہ جعفریہ کے متوازی نفاذ کے مطالبہ کے لیے وفاقی سیکرٹریٹ کے گھیراؤ ہونے لگے تو اس کا رد عمل ظاہر ہونا ایک فطری بات تھی اور اس کے رد عمل میں "سپاہ صحابہ پاکستان" وجود میں آئی اور پھر اشتعال کے سب عوامل جمع ہو گئے تو ملک میں سنی شیعہ کشمکش نے باہمی تصادم کی وہ صورت اختیار کر لی جس کے تلخ نتائج کا ہم آج سامنا کر رہے ہیں۔

سپاہ صحابہؓ کے اشتعال انگیز طرز عمل بالخصوص "کافر کافر" کے عوامی نعرہ سے ہم نے کبھی اتفاق نہیں کیا۔ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم نے ایک کھلا خط سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں کو لکھا۔ یہ خط ملک بھر میں کئی سال قبل تقسیم ہو چکا ہے۔ خود راقم الحروف نے سپاہ صحابہؓ کے کم وبیش سبھی قائدین سے اس مسئلہ پر بات کی ہے۔ خود مولانا حق نواز شہیدؒ کے ساتھ اس سلسلہ میں میری گفتگو چل رہی تھی اور وہ میرے موقف سے اصولی اتفاق کرتے ہوئے اس کی عملی صورتوں پر تجاویز مانگ رہے تھے۔ حتیٰ کہ جس روز وہ شہید ہوئے' ان کی شہادت سے ایک گھنٹہ قبل فون پر میری ان سے گفتگو ہوئی اور آنے والا بدھ انہی امور پر تفصیلی بات چیت کے لیے طے ہوا مگر اس کے ایک گھنٹہ بعد وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ دوسری طرف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ علامہ عارف الحسینی سے بھی میری ملاقات ہوئی جس کے لیے خود انہوں نے خواہش کا اظہار کیا اور گوجرانوالہ کے ممتاز شیعہ راہنما جناب صفدر ترابی مجھے لے کر وزیر آباد گئے جہاں علامہ عارف الحسینی آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی' گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے عرض کیا کہ جناب اس کشیدگی کو کم کرنے کے لیے آپ کو تمام مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام کے ۲۲ متفقہ دستوری نکات کی پوزیشن پر واپس جانا ہوگا۔ انہوں نے اصولی طور پر اس سے اتفاق کیا مگر بات پھر اس کے بعد آگے نہ بڑھ سکی۔

سپاہ صحابہؓ کے بارے میں بات ہو رہی تھی کہ ہمیں ان کے طریق کار سے کبھی اتفاق نہیں رہا لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سپاہ صحابہؓ ایک رد عمل کا نام ہے جو مذکورہ بالا اسباب و عوامل کے نتیجے میں رونما ہوا۔ اس لیے ایکشن کو کنٹرول کیے بغیر صرف ری ایکشن پر قابو پانے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ اب ہو سکتی ہے۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سربراہی میں وزیر اعظم پاکستان کی قائم کردہ علماء کمیٹی نے کشیدگی کے اسباب و عوامل کی نشاندہی اور صورت حال کی اصلاح کے لیے تجاویز مرتب کرنے کا کام شروع کیا ہے تو

ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں تعاون کا یقین دلاتے ہوئے گزارش کرتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد اب تک سنی شیعہ کشیدگی میں مرحلہ وار اضافہ کے پورے "پراسس" کا جائزہ لیا جائے اور فریقین کے ان مطالبات پر بھی غور کر لیا جائے جو اس کشیدگی میں اضافہ کا باعث بنے ہیں۔ اگر واقعتاً کشیدگی پر قابو پانا ہے تو دونوں فریقوں کے سرکردہ رہنماؤں کو اپنے اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنا ہوگی اور سرکاری حکام کو بھی معروضی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے ورنہ بصورت دیگر اگر مقصد صرف وقت گزارنا ہے تو وہ پہلے بھی گزر رہا ہے اور اب بھی گزر ہی جائے گا' اس کے لیے کمیٹی کے تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

- - - - - - - - - - - -

امت مسلمہ کو اسلامی سال نو ۱۴۲۰ھ مبارک ہو

اسلامی تاریخ ہجری سن سے وابستہ ہے اس لیے سب مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلامی قمری سال کو ترویج دیں' لین دین' کاروبار اور دیگر ضروری معاملات کے ساتھ اسلامی تاریخ لکھیں۔ کاروباری ادارے اسلامی ہجری کیلنڈر اور ڈائریاں چھپوائیں اور اسلامی تاریخ وروایات کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ اسلام کو جلد از جلد دنیا پر غلبہ عطاء کریں اور حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر دنیا کو ایک بار پھر خلافت اسلامیہ کی برکات سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یا اللہ العالمین

منجانب: (مولانا) حسین احمد قریشی۔ بانی ودیگر ارکان ومعاونین الصحابہؓ اکیڈمی۔ بھوئی گاڑ۔ براستہ فاروقیہ ضلع اٹک

کسووو میں مسلمانوں سے سرب عیسائیوں کا ظلم

عالمی میڈیا' ٹی وی اور اخبارات کے مطابق کسووو میں مسلمانوں پر زبردست ظلم ہو رہا ہے۔ اجتماعی قبروں کی تصویریں دکھائی گئی ہیں۔ پناہ گزینوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب بتائی جا رہی ہے۔ پھر قتل عام اور آبرو ریزی بھی کھلے بندوں کی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ بھی سرب عیسائیوں نے ایسا ہی کیا تھا اور اقوام متحدہ کے علاوہ پوری دنیا خاموش تماشائی بنی رہی۔ دنیا کی تاریخ میں جنگوں کے واقعات اور مذہبی کشیدگی تو پہلے بھی ہوتی رہی مگر جس درندگی کا مظاہرہ سرب عیسائیوں نے کیا ہے' نیٹو اور دیگر ادارے جو امن کی چیمپئن بنے بیٹھے ہیں' جس بے حسی اور بے ضمیری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں' قابل افسوس ہے۔ سرب کمانڈر کہتے ہیں کہ جس قوم کی خواتین کو بے آبرو کیا جائے' وہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتی اس لیے عورتوں کو بے آبرو کرنا جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے مگر عیسائی پوری دنیا میں یہودی لابی کے اشارے پر استعمال ہو رہے ہیں جس کی سزا انہیں بھگتنا پڑے گی۔ تاریخ اپنے سینے میں بہت کچھ محفوظ رکھتی ہے۔ بہت دور کی بات نہیں بالکل قریب کی بات ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں کی سازش کا شکار ہو کر برصغیر کی تقسیم کے وقت سکھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم کیے تھے' اب سکھ قوم خود انہیں زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ سکھوں کی جانیں' عزتیں برباد ہونے اور دیگر مشکلات کے علاوہ ان کے مقدس گوردوار کی بے حرمتی اور تباہی ہوئی۔ اس عمارت کے اندر سکھوں کا قتل عام ہوا اور آج سکھ قوم اپنے ۴۷ء کے کیے پر پچھتا رہی ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ سرب عیسائی جس ڈگر پر چل نکلے ہیں' اس کا رد عمل بھی شدید ہوگا اور جس فصل کو یہ شوق اور تجربہ کی بنا پر بو رہے ہیں' انہیں بھی اس کا پھل چکھنا پڑے گا۔ اللہ کی بے آواز لاٹھی ہے' کل ہو سکتا ہے یہ جغرافیائی رکاوٹوں کو توڑ کر کچھ مسلمان اس کتاب کا اگلا ورق الٹ کر سربوں اور تماش بینوں کو پیش کر دیں گے۔ جن جوان بھائیوں کے سامنے ان کی بہنوں اور بچوں کی موجودگی میں ان کی ماؤں سے اور خاوندوں کے سامنے بیویوں کو بے آبرو اور قتل کیا جا رہا ہے' وہ بھی کل اسی رنگ میں سرب درندوں کو نقشہ پیش کر کے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کریں گے۔ آخر میں مسیحی مذہب کے راہنماؤں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اب مسیحیوں کو جناب یسوع علیہ السلام کی تعلیم کی طرف توجہ دلا کر ظلم اور بربریت' قتل وغارت اور خواتین کی آبرو ریزی سے باز رہنے کا درس دیں۔ اپنی مذہبی ذمہ داری کو پورا کریں' انسانیت پر ٹوٹنے والی مصیبتوں میں انسانوں کی مدد کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راہ نما بھی انہیں ظالموں کے ساتھ دھر لیے جائیں۔ امید ہے کہ اہل علم اور دانش مند حضرات اس سنگین معاملہ پر فوری توجہ دیں گے۔

(فقط ابو القاسم ڈاکٹر غلام محمد۔ ڈائریکٹر اسلامک سنٹر گوجرانوالہ)